© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

جب عوام کے جذبات میں غیر معمولی ہیجان اور اشتعال ہوتا ہے تو اُس وقت کوئی بات سنجیدگی اور معقولیت کے ساتھ کہنا دشوار ہے، لیکن اب جبکہ علی گڈھ تحریک کا جوش وخروش کم اور مدھم ہوگیا ہے، رٹ پٹیشن داخل ہوا اور واپس لے لیا گیا، یوم دعا بڑے زور شور سے منایا گیا اور حدیثِ پارینہ بن گیا، لکھنؤ کنونشن کا بڑا غلغلہ تھا وہ بھی منعقد ہوا اور برخاست ہوگیا۔ تو اب موقع ہے کہ اس سلسلہ میں چند باتیں گذارش کردی جائیں۔ ممکن ہے حکومت اور مسلمان دونوں کے لئے لائقِ توجہ ہوں۔

علی گڈھ تحریک کے سلسلہ میں اصل بنیادی چیز جو ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے یہ ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کا جب مکمل دخل شروع ہوا تو راجہ رام موہن رائے اور بعض دوسرے روشن خیال و دُور اندیش لیڈروں کی رہنمائی میں ہندوؤں نے انگریزی زبان اور مغربی علوم وفنون کی تعلیم وتحصیل شروع کردی تھی، مگر مسلمان ان سے دُور رہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہوگئی اور ملک کی بساطِ دیرینہ بالکل اُٹھ گئی تو اب ہندو مسلمانوں کا تعلیم جدید میں یہ فرق بہت زیادہ نمایاں ہوا اور سرسید نے اپنے رفقاء کی امداد و اعانت سے علی گڈھ کا مدرسہ قائم کیا، یہ مدرسہ اوّلاً مسلمانوں کے لئے تھا، اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مسلمان تعلیم میں بہت پیچھے رہ گئے تھے اور ان کی اقتصادی حالت بھی تباہ تھی اس لئے ضروری تھا کہ کوئی ایسی درس گاہ ہو جہاں ان کی تعلیم کا خاص بندوبست ہو، جہاں ان کے لئے ترغیب وتحریص کے خاص سامان ہوں اور جس میں زیادہ سے زیادہ تعلیمی سہولتیں مہیا ہوں، صرف یہی ایک صورت تھی جس کی وجہ سے ایک عرصہ کی جدوجہد کے بعد تعلیم جدید اور اسکی برکات میں مسلمان بھی ہندوؤں کے ساتھ ایک حد تک برابر کے شریک ہوسکے تھے، علاوہ ازیں ایک علیحدہ درسگاہ مسلمانوں کے لئے اس بناء پر بھی ضروری تھی کہ سرسید اور ان کے رفقاء کی رائے میں ایک مسلمان کی تکمیلِ حیات بغیر مذہب کے ناممکن تھی، اس لئے لازمی تھا کہ اس درسگاہ میں انگریزی کے ساتھ اسلامی علوم وفنون کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے، اور نہ صرف یہ بلکہ اسلام کی تعلیمات کے ماتحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طلباء کی مذہبی، اخلاقی اور عملی تربیت بھی کی جائے، اور ظاہر ہے اس کا اہتمام و انتظام سیکولر درسگاہوں میں ہرگز نہیں ہو سکتا تھا اس طرح علی گڈھ کا یہ مدرسہ جو بعد میں یونیورسٹی بن گیا اگرچہ اس اعتبار سے کہ اُس کا دروازہ غیر مسلموں پر کبھی بند نہیں ہوا، کبھی کوئی فرقہ وارانہ ادارہ نہیں بنا، لیکن وہ ایک خاص تہذیب اور کلچر (اسلامی) کا نمائندہ ادارہ ہمیشہ رہا اور یہی دراصل اُس کا وہ نمایاں وصف ہے۔ جو اس کے انفرادی وجود کے تحفظ و بقا، کا کفیل وضامن ہے، اس درسگاہ کی پُرانی عمارتوں کے کتبوں کو پڑھیے، ان کی سطر سطر اس حقیقت کی شاہدِ عدل نظر آئے گی۔

حقائق سے چشم پوشی کرنے کے بجائے ہمیں صاف لفظوں میں اعتراف کرنا چاہیے کہ شروع سے اب تک اس درسگاہ کا دامن ہمیشہ بے داغ و بے لوث نہیں رہا۔ بلکہ اس پوری مدت میں متعدد بار ایسے بھی دور آئے ہیں جبکہ مذہبی و دینی افکار و آراء، سیاسی مسلک اور قومی نقطۂ نظر ان چیزوں میں اس درسگاہ کے قدم بحیثیتِ مجموعی سیدھے راستہ پر نہیں رہے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس کے نظامِ تعلیم و تربیت میں بنیادی اعتبار سے یہی روح کارفرما رہی ہے جس کا ہم نے ابھی اوپر ذکر کیا، گذشتہ تحریک میں بار بار جس کو یونیورسٹی کا کیرکٹر کہا گیا ہے درحقیقت وہ کیرکٹر صرف یہی ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہرگز نہیں ہے۔ اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ جن اسباب و دواعی کے ماتحت (یعنی مسلمانوں کی تعلیمی و اقتصادی پسماندگی اور سیکولر تعلیم کے ساتھ ان کے لئے مذہبی تعلیم و تربیت کی بھی ضرورت) اس درسگاہ کے لئے یہ کیرکٹر مقرر کیا گیا تھا وہ اب بھی موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود ہیں اور بڑی شدت کیساتھ تو دنیا کا کوئی معقول انسان ایک لمحہ کے لئے بھی یہ کہنے میں تامل نہیں کر سکتا کہ اگر اس درسگاہ کو قائم رہنا ہے تو اسی کیرکٹر کے ساتھ اسے قائم رہنا چاہیے، ورنہ

چمک سورج میں کیا باقی رہے گی ؛ اگر بیزار ہے اپنی کرن سے

لیکن اس موقع پر یہ ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیے کہ سرسید کی تحریک کا بنیادی پتھر جو کچھ بھی ہے وہ جدید حالات اور جدید تقاضوں کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کا جذبہ اور اُس کی تکمیل کے لئے غیر معمولی جدوجہد ہے۔ ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے مستحکم ہو جانے کے بعد سرسید کو یقین ہو گیا کہ اب انگریزی تعلیم حاصل کئے بغیر چارہ نہیں، لیکن ساتھ ہی انھوں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں اور انگریزوں میں مدت دراز کے تاریخی اسباب و وجوہ کے باعث باہم ایک دوسرے کی طرف سے شدید نفرت اور بدگمانی ہے۔ جب تک یہ باہمی نفرت دور نہیں ہو گی اور ایک دوسرے کی طرف سے دل صاف نہیں ہوں گے محض انگریزی تعلیم مسلمانوں کے درد کا مداوا نہیں بن سکتی۔ اس بنا پر ایک طرف تو سرسید نے یہاں تک غلو کیا کہ معاملہ صرف انگریزی تعلیم تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محدود نہیں رکھا، بلکہ وہ طلباء سے یہ چاہتے تھے کہ اُن کا کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا بھی انگریزوں کی طرح ہو، اور دوسری جانب انھوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو خطاب کر کے مسلسل ایسی کتابیں اور مقالات لکھے جن سے دونوں قوموں کے فکر میں تبدیلی پیدا ہو، آپس کی بدگمانیاں دور ہوں اور دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کا اعتماد حاصل ہو۔ سر سید کی یہ ساری جدوجہد نئے حالات اور جدید ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کی ایک کوشش تھی۔ تاکہ مسلمان خود اعتمادی حوصلہ مندی اور حاکم و محکوم کے خوشگوار تعلقات کی امید افزا فضا میں انگریزی تعلیم (مذہبی تربیت اور اخلاق کیساتھ) حاصل کر سکیں اور اس پر خاطر خواہ نتائج مرتب ہوں، سر سید کی تجویز کے کسی جزء سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس میں ذرا شبہ نہیں کہ جہاں تک تشخیصِ مرض اور علاج کی قسم کا تعلق ہے وہ بالکل درست تھا اور اس میں کلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

سر سید نے یہ سب کچھ اُس وقت کیا جب کہ ملک پر ایک اجنبی قوم حکمراں تھی اور ہندو اور مسلمان دونوں اُس کے محکوم تھے۔ اس زمانہ میں انگریزوں کی حکومت تھی تو انھوں نے مدرسہ کے اسٹاف میں کثرت سے انگریزوں کو رکھا، اور ایک انگریز پرنسپل (مسٹر بیک) کو انتظامی معاملات میں اپنا مشیرِ خاص بنایا، لیکن آج حالات بالکل دگرگوں ہیں، اور صورتِ حال یہ ہے کہ ملک آزاد ہے، یہاں ملکی اور قومی حکومت قائم ہے۔ جس کا نظام سکولر جمہوری ہے، پوری دنیا ایک گھرانہ یا ایک خاندان بن گئی ہے، ذات پات کی حدبندیاں ٹوٹ رہی ہیں، زندگی کا بین الاقوامی تصور ترقی کر رہا ہے اس بنا پر سر سید کے فکر اور اس کی بنیادی قدروں اور خطوط کو پیشِ نظر رکھ کر غور کرنا چاہئے کہ اگر آج سر سید ہوتے تو بے شبہ یونیورسٹی کا کیرکٹر تو وہی ہوتا جو اب تک رہا ہے لیکن یونیورسٹی کے دروبست اور اس کے انتظام کے ڈھانچہ میں وہ کیا کیا تبدیلیاں پیدا کرتے؟ ہندو اور مسلمانوں کے تعلقات کو خوشگوار سے خوشگوار تر بنانے کیلئے وہ کیا کیا اقدامات کرتے؟ یونیورسٹی کی فضا اور ماحول کو ایک سکولر جمہوری معاشرہ کے ساتھ ہم آہنگ بنانے کے لئے کیا کیا تجویزیں بروئے کار لاتے؟ یہی درحقیقت وہ سوالات ہیں جن کے صحیح جواب پر یونیورسٹی کی گتھی کا حل موقوف ہے اور جب تک حکومت اور مسلمان دونوں وسعتِ قلب اور وسعتِ نظر کے ساتھ اس انداز سے غور نہیں کریں گے مسئلہ کا کوئی اطمینان بخش حل پیدا نہیں ہو سکتا۔

© rasailojaraid.com